ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطوط ایک مطالعہ

* ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (م ۲۰۰۲ء) بیسویں صدی کے نامور عالم دین اور محقق تھے۔ وہ اگرچہ عمر بھر گوشہ گیر اور زاویہ نشین رہے، مگر ان کی ذات بجائے خود ایک انجمن تھی۔ وہ اپنی ذاتی اور علمی زندگی میں غالب کے اس شعر کی نہایت عمدہ تفسیر تھے:

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی پہلی برسی دسمبر ۲۰۰۳ء کے موقع پر محمد راشد شیخ نے ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ'' کے نام سے ایک نہایت عمدہ کتاب مرتب کی۔ چار سو چھیانوے صفحات پر محیط اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے ذاتی احوال اور علمی آثار کے علاوہ ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد لکھے گئے مضامین کا عمدہ انتخاب بھی شامل ہے۔ کتاب میں اپنی ذاتی اور علمی زندگی کے حوالے سے تین تحریریں خود ڈاکٹر صاحب کی ہیں، جو کتاب کی اہمیت اور افادیت کی دلیل بھی ہیں اور اس کے وقار کی علامت بھی۔

کتاب کا ایک اہم حصہ ان کے مکتوبات پر مشتمل ہے۔ گیارہ مکتوب الیہم کے نام، ان کے ایک سو ساٹھ خط اس حصے کی زینت بنے۔ پچھلے ساٹھ پینسٹھ برسوں میں دنیا کے مختلف علاقوں کے رسائل و جرائد میں ان کے سینکڑوں خط متعدد زبانوں میں شائع ہوئے۔ خطوط کی زیادہ تر تعداد پاکستان اور بھارت کے علمی اور فکری جرائد میں شائع ہوئی۔ ہزاروں خط ہنوز غیر مطبوعہ صورت میں بھی موجود ہیں، کیوں کہ ان کے مکتوب الیہم کا دائرہ بہت وسیع رہا ہے۔ علم و ادب سے متعلق کتنے ہی لوگ ان سے وابستہ رہے۔ نو واردان تحقیق بھی ان سے فیض یاب ہوئے اور کہنہ مشق ارباب فکر و نظر نے بھی ان سے استفادہ کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اگر اگلے چند برسوں میں ان کے مکاتیب پر مشتمل

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مجموعے شائع ہو جائیں تو ڈاکٹر صاحب کی علمی اور فکری زندگی پر کام کرنے والوں کو گراں قدر سرمایہ میسر آئے گا۔

محمد راشد شیخ کی مرتبہ اس کتاب ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ'' میں ان کے مطبوعہ خطوط میں سے ایک سو چونتیں خط مظہر ممتاز قریشی کے نام اور بقیہ چھبیس خط دس دیگر شخصیات کے نام ہیں۔ ان چھبیس خطوط میں سے بھی اکثر و بیشتر ''معارف''، اعظم گڑھ، ''الحق'' اکوڑہ خٹک اور ''فاران'' کراچی کی مختلف اشاعتوں میں شائع ہوئے۔ چند ہی خط ایسے ہیں جو اس مجموعے کے ذریعے پہلی بار سامنے آئے۔

مظہر ممتاز قریشی کے نام ڈاکٹر صاحب کے ایک سو تیس مکاتیب پہلی بار مکتوب الیہ کے مختصر حواشی کے ساتھ ۱۹۹۶ء میں سہ ماہی ''ارمغان'' کراچی میں شائع ہوئے۔ اب دوسری بار چار مزید خطوط کے اضافے کے ساتھ مکتوب الیہ نے انہیں چھپوایا اور ان پر تفصیلی حواشی بھی تحریر کیے۔ ''ارمغان'' میں مختصر حواشی کی وجہ سے خطوط کی تفہیم اپنے درست اور مجموعی علمی و فکری تناظر میں ممکن نہ ہو سکی، لہذا اب انہوں نے دوسو نوے حواشی تحریر کر کے خطوط سے استفادے کا دائرہ اثر بڑھا دیا اور یوں ان حواشی کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب کے خطوط کی اثر آفرینی محتاج تعارف نہیں رہی۔ مکتوب الیہ نے ''کچھ خطوط کی نئی اشاعت کے بارے میں'' کے عنوان سے لکھا کہ:

> ''ڈاکٹر مشرف احمد صاحب (صدر شعبۂ اردو نیشنل کالج جو، اب مرحوم ہو چکے ہیں، ان کا انتقال گزشتہ دنوں کراچی میں ہوا) مجھ سے ملنے میرے گھر آئے۔ میرا پتہ مشہور ادیب و محقق محترمی مشفق خواجہ صاحب نے دیا تھا۔ دراصل ڈاکٹر مشرف احمد صاحب اردو کے دو مشہور شاعروں جناب ثناء اللہ ڈار میراجی اور جناب اختر الایمان کے بارے میں ذاتی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ ''ارمغان'' میں ان پر سیر حاصل تبصرہ شخصیت اور فن کے حوالے سے کریں اور ان کو فوٹوؤں کے ساتھ شائع کریں (فوٹوز میں نے دیئے تھے) میں نے ڈاکٹر مشرف صاحب کو دونوں سے میری جتنی ملاقاتیں ہوئی تھیں ان کی تفصیل بتلا دی .....غرض ایسی ملاقاتیں ایسی باتیں جن کا تعلق ان کی علمی ادبی شخصی زندگی سے تھا۔ ڈاکٹر مشرف احمد صاحب نوٹ کرتے رہے۔ میری الماری سے لگی ہوئی چھوٹی سی میز پر کئی خاکی اور سفید لفافے رکھے ہوئے تھے، جن میں دوستوں کے خطوط تھے۔ ڈاکٹر مشرف احمد ان کو

اِدھراُدھر سے الٹ پلٹ کر پڑھتے رہے اور ایک بھاری بھرکم لفافے کے بارے میں پوچھا: یہ کس کا ہے؟ میں نے بتلایا کہ یہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے ذاتی خطوط ہیں تو فوراً انہوں کہا: پھر تو یہ قیمتی ہوں گے۔ مظہر صاحب یہ خطوط مجھے دے دیں ''ارمغان'' میں شائع کر کے واپس کر دوں گا۔'' (ص ۱۱۲۔۴۱۱)

یہ خط کیا ہیں؟ معارف علمیہ کا خزینہ ہیں۔ ان میں اسلامی موضوعات اور ان کے مآخذ و مصادر پر اتنا کچھ ہے کہ اس قدر لوازمہ اپنی ثقاہت اور صداقت کے ساتھ کہیں اور یکجا نہیں۔ اپنے مندرجات کے اعتبار سے یہ خطوط بہت اہم ہیں۔ تمام تر خطوط علمی اور فکری نوعیت کے ہیں۔ چوں کہ مکتوب نگار کو خود نمائی کا شوق نہ تھا، اس لیے وہ اپنی ذاتی زندگی پر بات کرنے کو معیوب گردانتے۔ لہٰذا ان میں، ان کے علمی کاموں کا تذکرہ تو موجود ہے لیکن ذاتی زندگی کا کوئی پہلو بھی موجود نہیں۔ مکتوب الیہ نے جب بھی ان سے ان کے ذاتی احوال اور واقعات کے ارقام کے ضمن میں بات کی، تو وہ کچھ بدمزہ ہوئے اور لکھا:

''مجھے اپنی سوانح عمری سے چڑ ہے۔'' (ص ۳۲۸)

''اس کی تالیف میں مدد کا کوئی سوال نہیں۔'' (ص ۳۵۱)

یہ صحیح ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنی ذاتی اور شخصی زندگی کو کبھی موضوع نہ بناتے۔ وہ پرانی وضع کے درویش صفت اور خدامست انسان تھے۔ علمی و فکری معاملات میں شخصی رویوں کی جلوہ نمائی انہیں پسند نہ تھی، اسی لیے وہ اپنے عزیزوں اور نیازمندوں کو اپنی سوانح عمری مرتب کرنے سے منع کرتے رہے، بلکہ اس سلسلے میں وہ کسی نوعیت کے تعاون پر بھی راضی نہ ہوئے۔ ذاتی احوال کی ترقیم و تسوید میں عدم معاونت کے باوجود ان کے خطوط میں ان کی علمی اور تبلیغی زندگی کے کئی پہلو بکھرے پڑے ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب کے تمام خطوط چھپ جائیں تو ان کی مدد سے بآسانی ان کے علمی اور فکری طرز زندگی کی توقیت کی جا سکتی ہے۔

مظہر ممتاز قریشی کے نام خطوط نویسی کا دورانیہ کوئی گیارہ برسوں کو محیط ہے۔ ایک سو چونتیس خطوں میں سے دو خط انگریزی میں ہیں اور بقیہ اردو میں۔ پندرہ بیس خطوں کو چھوڑ کر، باقی تمام خطوط پر اسلامی ماہ و سال درج ہیں۔

کہیں کہیں وہ مطابقت میں انگریزی کیلنڈر کی تاریخیں بھی لکھ دیتے ہیں۔ یہ سارے خط مکتوب الیہ سے ان کے گہرے اخلاص اور اپنائیت کا خوب صورت اظہار یہ ہیں۔ خطوط کی زبان سادہ، سلیس اور رواں دواں ہے۔ خطوط میں بے تکلفانہ انداز کے پہلو بہ پہلو سنجیدگی اور متانت کے رنگ بھی موجود ہیں۔ مکاتیب کی قطعیت اور صاف گوئی سے ان کے علمی شکوہ کا پتہ چلتا ہے۔ مکتوب نویسی کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں، جو دیگر تحریری سرمائے سے یکسر مختلف بھی ہوتے ہیں اور منفرد بھی۔ غالب نے ایسے ہی مراسلے کو مکالمہ نہیں بنایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فن مکتوب نگاری سے صرف وہی شخص عہدہ برآ ہوسکتا ہے، جو مکتوب الیہ سے محبت اور اخلاص کے رشتے میں پیوستہ ہو۔ اسے اپنے مخاطب پر اعتبار بھی ہو اور اعتماد بھی، کیوں کہ جہاں تکلف اور بناوٹ دخل انداز ہو، وہاں شاید تحریر اور تو کچھ بن جائے، خط نہیں رہتی۔ زیر نظر خطوط میں، مکتوب نگار اپنے مکتوب الیہ (مظہر معین قریشی) سے جو یگانگت اور اخلاص کا رشتہ رکھتے ہیں، اس کا ہر صفحے پر احساس ہوتا ہے۔ وہ زور کلام اور جوش خطابت سے متاثر نہیں کرتے۔ ان خطوط کے بین السطور عجز اور انکسار کی جو لہر کارفرما ہے، وہ مخاطب کو اپنے دائرے سے باہر نکلنے نہیں دیتی۔ وہ زندگی کے دیگر معاملات میں بھی بہت منکسر المزاج اور راست فکر واقع ہوئے تھے۔ ان کے نقطۂ ہائے نظر کے خلاف پاکستانی اخبارات و رسائل میں کتنے ہی تردیدی مضمون چھپے، مگر انہوں نے ایسے مضامین کو کبھی بھی اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ جہاں وضاحت اور صراحت کی ضرورت محسوس ہوئی، جواباً خط لکھ دیا۔ وہ شائع ہوگیا، تو ٹھیک، بصورت دیگر لٹھ لے کر پیچھے نہیں پڑ گئے۔ چوں کہ وہ بحث برائے بحث کے آدمی نہ تھے، اس لیے ان کی تحریروں میں کج فہمی اور کج گفتاری کے عناصر بالکل نہیں ہیں۔ ایسے غیر ضروری معاملات میں الجھنے کو وہ تضیع اوقات جانتے تھے۔ انہیں چوں کہ وقت کی قدر و قیمت کا بے پناہ احساس تھا، اس لیے وہ اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے علمی، فکری اور تبلیغی کاموں میں منہمک رہے۔ البتہ دوران مطالعہ اگر کہیں وہ کوئی غلطی یا کوتاہی دیکھتے تو، نہایت مدہم اور ہلکے سروں میں اس کی تصحیح فرماتے۔ انہیں کسی کی بھی تردید مقصود نہ ہوتی، محض ریکارڈ کی درستی کے پیش نظر ایسا کرتے۔ اس سلسلے میں دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

> ''.....اس میں بعض غلط سلط باتیں مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے متعلق لکھی ہیں کہ وہ حیدرآباد میں فیکلٹی آف حدیث کے صدر تھے وغیرہ۔ جامعہ عثمانیہ میں ایسی کوئی چیز نہ تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے وہاں شعبہ فنون اور شعبہ سائنس کے طلبہ کے لیے بھی

دینی تعلیم لازم کی گئی تھی۔ مسلمانوں کے لیے اسلامیات اور غیر مسلموں کے لیے اخلاقیات، شروع میں مناظر احسن صاحب وہاں اسلامیات کی تعلیم دیتے رہے۔ پھر ان کا شعبہ دینیات میں تبادلہ ہوا جہاں مولانا عبدالقدیر صاحب کو پنشن ہوئی تو مناظر احسن صاحب پورے شعبہ دینیات کے صدر بنے اور آخر تک وہیں رہے۔ اگر رضی الدین صاحب کچھ اس طرح کی یادداشت لکھ دیں، تو غلط بیانیوں کی تصحیح ہو جائے گی۔'' (ص ۳۷۹)

''ایک کثیر جہتی شخصیت'' عنوان کا مضمون میرے ''دکن کی ایک کثیر جہتی شخصیت (بہادر خاں)'' مطبوعہ امرداد ۱۳۵۷ھ مطابق جون ۱۹۴۸ء سے جو رسالہ روح ترقی میں چھپا تھا، ماخوذ ہے مگر مندرجات میرے نہیں ہیں، ایڈیٹر نے شاید خود اس کا خلاصہ کر لیا ہے۔ اوپر جو نوٹ ہے کہ میں نے وہ مضمون رسالہ کہانی ڈائجسٹ کو بھیجا ہے، وہ بھی صحیح نہیں۔ عنوان پر ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)'' الفاظ کو گویا فوٹو لے کر چھاپا گیا ہے۔ وہ بھی فرضی ہے۔ میں ''پیرس'' کبھی نہیں لکھتا بلکہ ''پاریس'' اور خود کو کبھی ''ڈاکٹر'' نہیں لکھتا۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز فوٹو ہے۔ وہ ایک جرم بھی ہے اور ایک گناہ بھی۔ جرم اس معنی میں کہ وہ میری اجازت بلکہ اطلاع کے بغیر چھپ کر لیا گیا ہے۔ گناہ اس معنی میں کہ صحیح بخاری میں ایک حدیث کئی بار دہرائی گئی ہے:

اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون

''انہیں چاہیئے کہ توبہ کریں اور اللہ سے معافی مانگیں اور آئندہ ایسے کام نہ کریں۔'' (ص ۴۱۰)

خط نویسی ان کا مشغلہ حیات نہ تھا بلکہ وہ اسے مقصد جانتے تھے اور تبلیغ دین کا ذریعہ بھی۔ وہ اپنے مکاتیب میں ابلاغ اور ترسیل کے قائل تھے۔ ان کے خطوط میں ادبی رکھ رکھاؤ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ وہ اپنے مخاطب کو الجھاتے نہ تھے، سیدھے سبھاؤ اپنے نقطۂ نظر یا مسئلہ زیر بحث کی وضاحت کر دیتے۔ وہ نہ اتنا مختصر لکھتے ہیں کہ بات سمجھ نہ آئے اور الجھاؤ پیدا ہو ورنہ اتنا طویل کہ خط تضییع اوقات کا باعث بن جاوے۔ اعتدال اور توازن ان کے اسلوب تحریر کی اہم خوبی ہے وہ نئے لکھنے والوں کی صرف مدد ہی نہ کرتے، انہیں بڑھاوا اور اکساوا بھی دیتے اور دلچسپ بات یہ کہ انہوں نے کبھی کسی پر بھی رائے مسلط نہیں کی، جو آج ہمارے اکثر بڑوں کی بڑائی کا امتیازی نشان ہے۔